زرِ سالانہ دو روپے | اردو کی نئی اور پرانی مطبوعات کا خبرنامہ | رجسٹرڈ نمبر ایل 1876

ماہنامہ **نگارشات** امروہہ

جلد ۱ | جولائی سنہ ۱۹۷۲ء | شمارہ ۱۰

# دیوانِ درد

(ب)

مرتبہ: رشید حسن خاں
ناشر: مکتبۂ جامعہ، دہلی، قیمت: دو روپے
پچھتر پیسے۔

رشید حسن خاں کا مرتب کیا ہوا دیوان درد کئی اسباب کی بنا پر خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ ایک تو اس لیے کہ موصوف نے اسی طرح مکتبۂ جامعہ کے لیے کئی کتابیں ایڈیٹ کی ہیں۔ ان کے زیر کارنامے کا تنقیدی مطالعہ ان کی اسی قبیل کی دوسری تحقیقات کے پایۂ اعتبار اور نوعیت کو سمجھنے میں معاون ہوگا۔ دوسرے اس لیے کہ رشید حسن خاں محققین کی اس امت کے فرد ہیں جو قاضی عبدالودود کی تقلید کرتے ہوئے ہر تحقیقی کام میں (حقیقی کم اور فرضی زیادہ) اغلاط کی محض نشان دہی کو تحقیق کا منتہا و مدعا جانتی ہے۔ اس قماش کے جید حضرات سے یہ مطالبہ کیا جا سکتا ہے کہ کسی موضوع پر وہ خود کوئی تحقیقی کارنامہ پیش کریں تاکہ ہمیں ان کے معیار کا صحیح اندازہ ہو سکے اپنی علمیت کے مظاہرے کے لیے کسی دوسرے کی تصنیف یا تحقیق کا انتظار کرنا اپنی شہرت کے لیے دوسروں کے کام کی محتاجی کے سوا کچھ نہیں جس طرح کی منفی تحقیق کو رشید حسن خاں تخلیقی ادب اور تمام علوم پر فوقیت دیتے ہیں اسے علم سمجھنا بذات خود علم کی عزت افزائی نہیں۔ اگر علم کسی مخطوطے کو نقل کرنے کا نام ہے تو ہر کاتب کو عالم ماننا پڑے گا۔ اگر علم حرف شناسی اور اغلاط کی نشاندہی کے مترادف ہے تو ہر پروف ریڈر علم کے سب سے بلند درجے پر فائز ہو سکتا ہے۔ اگر علم کرم خوردہ کاغذوں کی بو میں لذت تلاش کرتا ہے تو ردی کاغذ کا ہر بیوپاری، اگر قسمت یاوری کرے تو محقق اعظم بن سکتا ہے، اگر علم محض کسی کے سن وفات، سن ولادت، نسل آبا و اجداد کے تذکرے اور اس کے مختلف قلمی دیوانوں سے واقفیت تک محدود ہے تو دنیا کے سارے کتب خانے جو زندہ تخلیقی ادب اور دوسرے علوم کے تحقیقی کاموں سے اٹے پڑے ہیں، سوختنی قرار پائیں گے اور علوم کے بڑے سے بڑے عارف کو کسی نیم خواندہ ملّائے مکتب یا نیم وحشی کے آگے زانوئے تلمذ کرنا پڑے گا۔ رشید حسن خاں اردو کے ان محقق علماء کے سرخیل ہیں۔ جیسے قاضی عبدالودود کی وسعت مطالعہ اور نظر تو میسر نہیں مگر ان کے مزاج کی جارحیت اور نکتہ چینی ضرور ہاتھ لگ گئی ہے اس لیے کہ اس سے آسان کام اور

نہیں۔ ہینگ لگے نہ پھٹکری رنگ چوکھا آئے۔ احتشام حسین نے اس قماش کے ایک اور محقق (خلیل الرحمن داؤدی) کے مرتبہ دیوان درد پر تبصرہ کرتے ہوئے اس تحقیق کے بعض مضحک پہلوؤں کی طرف بڑے مزے میں اشارے کیے تھے، جن میں سے ایک یہ ہے کہ " ایسا ہر محقق ایک بار خم ٹھونک کر محمد حسین آزاد کو للکارنا ضروری سمجھتا ہے۔" یہ عادت جب راسخ ہو جائے تو پھر خواب اور بیداری میں ہر مصنف، ادیب اور شاعر کو للکارنا ہی محقق کی عادت ثانیہ بن جاتا ہے۔ ان حضرات کی حقیقی مشکل یہ ہے کہ یہ خود کتاب تصنیف کرنے کے اہل نہیں کرتے، اس لیے انتقاماً ہر صاحب کتاب کے دشمن ہو جاتے ہیں اور اس کی مفروضہ خامیوں کی تاک میں رہتے ہیں تاکہ اپنے لیے بہ جواز نکال سکیں کہ کتاب لکھنا کوئی اچھا کام نہیں ہماری تحقیق کی موجودہ سمت نے ان حضرات پر "صاحب کتاب" بننے کی مشکل بھی آسان کر دی ہے خدا بھلا کرے یو۔ جی۔ سی اور اشاعتی اداروں کا کہ کسی دوسرے کی کاوش کو نقل کر کے اس پر دو چار صفحات کا مقدمہ تحریر فرما کر اب صاحب کتاب بلکہ کثیر التصانیف بزرگ بننا بھی بچوں کا کھیل ہو گیا ہے رشید حسن خاں کے صاحب تصانیف کثیرہ ہونے کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ دیوان درد کے علاوہ موازنۂ انیس و دبیر، انتخاب مراثی (انیس و دبیر)، انتخاب نظیر، مقدمۂ شعر و شاعری، حیات سعدی، گلزار نسیم، گذشتہ لکھنؤ اور مقالات شبلی سب ان کی قلم رو میں داخل ہو چکی ہیں۔ اگر مرتبین کے شوق تصنیف کا یہی حال رہا تو چند برس بعد اس مسئلے میں تحقیق کرنی پڑے گی کہ ہمارے نثری ادب کے شہ پارے در اصل کس مرتب یا مؤلف کی تصنیف کے زمرے میں آتے ہیں۔ ان تمام تحقیقی کارناموں کے معیار کا اندازہ کرنے کے لیے مؤلف موصوف کے دیوان درد کا جائزہ سود مند ہوگا۔ ضرورت اس کی ہے کہ خاں صاحب کی دوسری تالیفات، اور ان کے مقدمہ و فرہنگ پر بھی تحقیقی نظر ڈالی جائے۔

رشید حسن خاں نے درد کی تصانیف کو سمجھنے سمجھانے کی سرے سے کوشش ہی نہیں کی شاید اس لیے کہ تصوف کو سمجھنے کے لیے جس مبلغ علم کی ضرورت ہے وہ مخطوطہ شناسی ہٹ کر بھی بہت کچھ جاننے کا تقاضہ کرتا ہے۔ درد کی متصوفانہ شاعری کے متعلق جو ارشادات عالیہ ۸ صفحات کے سرسری اور سطحی تعارف میں بکھرے ہوئے ہیں، اس سے میرے اندیشے کی توثیق ہوتی ہے ان ارشادات میں تنقید شعر کی جس سطح کا اظہار ہوا ہے وہ بھی توجہ طلب ہے۔ پہلے تو وہ درد کو صوفی شاعر ماننے ہی کے لیے تیار نہیں۔ تصوف سے ان کی مراد شاید چند کلمات و اصطلاحات کا جا بے جا اعادہ ہے۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ تصوف، حیات و کائنات فرد کی اپنی ذات اور تمام عالم انسانیت کی جانب ایک مخصوص رویّہ ہے جس کا اظہار مختلف سمتوں میں اور سطحوں پر مختلف طریقوں سے ہو سکتا ہے۔ خالص عشقیہ شاعری سے لے کر سماجی/سیاسی تنقید تک سب ایک معنی میں متصوفانہ شاعری کے ذیل میں آ سکتی ہیں۔ موصوف نے ایسے اشعار کو جن میں تصوف کی اصطلاحات نظم کر دی گئی ہیں درد کے خالص متصوفانہ اشعار قرار دیا ہے (ص ۶) محقق کا مذکورہ دعویٰ بھی محل نظر ہے کہ میر کے کلیات میں بھی خالص متصوفانہ شعر درد کے اتنے ہی مل جائیں گے (ص ۶)۔ "خالص متصوفانہ اشعار" کی جو تشریح موصوف نے اوپر فرمائی ہے اس لحاظ سے اگر وہ میر کے یہاں سے اصطلاحی شعر درد کے برابر نکال سکیں تو یہ ان کا پہلا وقیع تحقیقی کارنامہ ہوگا۔ میر یقیناً درد سے عظیم تر شاعر ہیں۔ لیکن ان کو تصوف میں درد کا ہم پایہ قرار دینے سے نہ تو ان کی عظمت بڑھتی ہے نہ درد کی شاعری

کم حیثیت ہوتی ہے۔ درد کا بنیادی رویہ متصوفانہ ہے، ان کے عشق مجازی کو بھی اسی کا سلسلہ سمجھا جا سکتا ہے۔ میر کا رویہ بنیادی طور پر متصوفانہ نہیں بلکہ وحدت الوجودی طرز فکر، جو اس زمانہ کی شاعری میں عموماً ملتا ہے، ان کی شخصیت کے اظہار کا صرف ایک وسیلہ ہے۔ اصطلاحات تو میر سے زیادہ غالب کے متصوفانہ اشعار میں مل جائیں گی۔ کیا اس کی بنیاد پر رشید حسن خاں ایسا محقق غالب کو بھی تصوف میں درد کا ہم پلہ مان لے گا۔ تصوف ناشناسی کا اظہار موصوف کے ان جملوں سے بخوبی ہوتا ہے۔

"ان کے اشعار میں حیرت و حسرت کا جو ملا جلا عالم ہے، وہ سالک کی کیفیت سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا"۔ (ص ۶)

"اسی طرح ان کے یہاں بے اطمینانی اور تسکین ناتمام کی جو کیفیت ہے، اس کا بھی مذہب سے کچھ تعلق نہیں" (ص ۶)

"یہ اضطراب اور یہ کم یقینی کا عالم اس سرشاری یا اس سرمستی احساس سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا جو تصوف کا عطیہ ہوا کرتا ہے، بلکہ اس کے برخلاف خاص طور پر جبر کے جو مضامین نہایت درجہ حسرت زدگی کے ساتھ ان کے یہاں معرض بیان میں آئے ہیں وہ تو تصوف سے بہت دور کی نسبت رکھتے ہیں"

(ص ۷)

اس نثر کی غرابت سے قطع نظر رشید حسن خاں یہ بھی نہیں جانتے کہ حیرت سالک کے مقامات میں سے ہے، بے اطمینانی، تسکین ناتمام، صوفی کے اس وفور شوق کا لازمی نتیجہ ہے جو اسے اپنی تکمیل کے لیے بے چین رکھتا ہے۔ درد کی جس کیفیت کو موصوف نے اضطراب اور کم یقینی قرار دیا ہے۔ اگر انہیں صحیح مان لیا جائے تب بھی اس کا رشتہ تصوف اور تشکیک سے جوڑا جا سکتا ہے۔ رشید حسن خاں کو تحقیق اتنی فرصت ہی کہاں دے گی کہ وہ تصوف کی اور کتابیں نہ سہی اقبال کی فلسفۂ عجم ہی کا مطالعہ کر لیں تاکہ صوفیوں کے اضطراب کا سبب سمجھ سکیں۔ اقبال نے تصوف اور تشکیک میں بجا طور پر ایک تعلق دریافت کیا ہے۔ تصوف یقین کی انتہا ہونے کے باوجود تشکیک کے مرحلے سے گزرتا ہے، یا بار بار گزر سکتا ہے۔ جبر کے مسئلے میں درد کے مسلک ہی کو سمجھنا ہو تو میری کتاب کے مباحث تصوف ("خواجہ میر درد") کا مطالعہ محقق مذکور کے لیے مفید ہو سکتا ہے۔ جبر و قدر کے معاملے میں درد نے درمیان کی راہ اختیار کی ہے مختلف احساس کیفیات کے تحت کبھی وہ جبر کی کارفرمائی دیکھتے ہیں کبھی انسان کے اختیار کا اثبات کرتے ہیں دو اور دو چار والی حسابی تحقیق تو اسے تضاد نہیں، رشید حسن خاں بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ تصوف کے مباحث ان کی رسائی سے باہر ہیں۔ اس لیے اچھا ہی ہوا کہ انہوں نے اس مسئلے پر مزید داد تحقیق دے کر اپنا اور دوسروں کا وقت خراب نہیں کیا۔

محقق مذکور کی تصوف ناشناسی شعر ناشناسی کا پہلا زینہ ہے۔ کلاسیکی شاعری کو عموماً اور درد کی شاعری کو خصوصاً تصوف کا علم نہ ہونے کی وجہ سے رشید حسن خاں کی تنقید شعر بھی بے معنی الفاظ و اصطلاحات کا گورکھ دھندا بن گئی ہے۔ وہ درد کے متصوفانہ رنگ کو بھی ان کی حقیقی شاعری نہیں مانتے اور خالص عشقیہ اظہار کو بھی ان کا نمائندہ رنگ نہیں سمجھتے۔ پہلے تو شاعر کو خانوں میں بانٹنے کی کوشش خود شاعرانہ ہے۔ دوسرے درد کے حقیقی رنگ کا بھی کچھ ذکر تو ہونا چاہیے تھا۔ لیکن وہ یہاں تحقیق کی شرح و بسط کے بجائے غزل کی زبان کے ایجاز و ابہام کا سہارا لیتے ہیں۔ وہ درد کے اسلوب کو رمزیہ اسلوب مانتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ درد کے نمائندہ کلام کی

خصوصیت ہے۔ حیرت وحسرت کے اظہار میں سنبھلی ہوئی ناتمامی، جس میں بے تسکینی کی ہلکی آنچ شامل ہے" (ص؟)

ان بے معنی ترکیبوں اور ملفوظات کی شرح کے لیے اسی جذب وبے ہوشی کی ضرورت ہے جو تنقید کے میدان میں قدم رکھتے ہی صرف رشید حسن خاں ایسے جید محقق پر طاری ہو سکتی ہے۔

چند صفحات کے اس مختصر سے پیش لفظ میں تنقید ادب وتصوف کے ایسے ہی جواہر پارے، سطر سطر میں بکھرے ہوئے ہیں۔ جس طرح کی منفی تحقیق رشید حسن خاں کا منتہائے نظر ہے وہ ادب فہمی وتنقید شعر کے لیے زہر قاتل کا حکم رکھتی ہے۔ اس طرح کے ذہن کو عموماً شعر فہمی مبدا رفیاض سے ودیعت ہی نہیں ہوتی اس لیے اپنے میدان کو چھوڑ کر تنقید وتصوف کے مباحث میں پڑنا خاں صاحب کے منصب تحقیق کے شایان شان نہیں۔ تحقیق کی ابتدائی منزل سے آگے جو منزل آتی ہے وہ ادب کا عرفان اور بہت بلند علمی سطح چاہتی ہے۔ یہاں لفظوں اور حروف کی تصحیح اور سنین کا تعین کام نہیں آتا یہیں تحقیق بذات خود علم بن جاتی ہے۔ اور اگر جز نظر بن سکے تو تحقیق کی اولین سطح تک بھی پہنچ سکتی ہے۔ ہمارے کچھ محققین خصوصاً رشید حسن خاں، خیاطی کے فن کو صرف بخیے ادھیڑنے کا فن سمجھتے ہیں، موزوں جامے قطع کرنا اور معانی کو قالب موزوں عطا کرنا، ان کی بساط سے باہر ہے۔ صرف بخیے ادھیڑنا یا پھٹے پرانے کو رفو کرنا ہی درزی کا کام نہیں مگر محقق علام شاید تحقیق وتنقید کو درزی کے کام سے بھی آسان سمجھتے ہیں۔

۰ صفحات کے تعارف میں جہاں رشید حسن خاں نے مختلف مخطوطوں اور نسخوں سے بحث کی ہے، وہاں محسوس ہوتا ہے کہ اب وہ اپنے صحیح میدان میں اشہب قلم کی جولانی دکھا رہے ہیں یہاں تو کوئی مخطوطہ شناس ہی ان سے الجھ سکتا ہے۔

اس کتاب کی فرہنگ بھی لائق توجہ ہے کیونکہ رشید حسن خاں نے اس قسم کی فرہنگیں اپنی دوسری "تصانیف" کے ساتھ بھی منسلک کی ہیں۔ ایک محقق کو کم از کم اتنا تو علم ہونا ہی چاہیے کہ لغت اور فرہنگ میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ فرہنگ میں وہ معنی دیے جاتے ہیں جو کتاب کے متن سے موافقت رکھتے ہوں نہ کہ ہر معنی میں اس فرہنگ سے بطور مشتے نمونہ از خروارے چند مثالیں پیش کروں گا۔

اہل اشغال :- کاموں میں معروف لوگ (ص ۱۴۸)

اگر رشید حسن خاں اشغال کو تصوف کی اصطلاح سمجھتے تو تشریح اس قدر مضحکہ خیز نہ ہوتی۔ لطف یہ ہے کہ اس کے باوجود خاں صاحب کو تصوف دانی کا بھی دعویٰ ہے۔

بار ہونا: دخل پانا، رسائی پانا (ص ۱۴۹)

موصوف نے بار پانا اور "بار ہونا" کو ایک سمجھ لیا ہے حالانکہ دونوں محاوروں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ درد کا شعر جہاں سے انہوں نے یہ محاورہ لیا ہے وہ بھی اس معنی پر کہیں دلالت نہیں کرتا ؎

اوروں سے تو گرانی یک لخت اٹھ گئی ہے
اے درد اپنے دل کے گر بار ہیں تو ہم ہیں

گرانی اور بار کے التزام پر محقق نے توجہ نہیں کی۔ حالانکہ تحقیق سے آگے بڑھ کر انہیں تنقید کا بھی شوق ہے۔

جگر دوزی کی: دل کے سارے زخم سی دیے یا دل کے زخم اور گہرے کر دیے (ص ۱۵۳)

دو متضاد معنی میں سے شعر میں صرف ایک ہی معنی

حسن برشتہ: حسن ملیح، جس کے رنگ کی تہ میں سرخی جھلکتی ہو۔ یکتا رنگ (ص ۱۵۴)

ملیح کے معنی ہیں سانولا یا نمکین۔ یکتا رنگ بھی اس کی ضد ہے اور رنگ میں سرخی جھلکنا بھی ملاحت سے تعلق نہیں رکھتا برشتہ کے معنی ہیں بھنا ہوا جس کا مفہوم ہوگا جلا ہوا۔ ایک لفظ کے ایسے متضاد ومختلف معنی ایک محقق ہی دریافت کر سکتا ہے۔

مالک، ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر ایم ایچ رضوی مطبوعہ کوہ نور پریس لال کنواں دہلی۔ پتہ نگارشات امروہہ